

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

**Name of Publisher: Al-Anfal
Education & Research**

Vol. 3 No.1 (2025)

**Existence, Unconsciousness, and Internal Conflict in
Miraji's Poem: A Psychological and Existential Study**

میراجی کی نظموں میں وجود، لاشعور اور داخلی کشمکش: ایک نفسیاتی و وجودی مطالعہ

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور
Email: assadphdir@gmail.com

Abstract

This paper explores the intricate interplay of existential anxiety, unconscious impulses, and internal conflict in Meera Ji's poems. Moving beyond romantic or purely aesthetic readings, the study situates Meera Ji within a broader intellectual and philosophical context, analyzing how his poetic expression becomes a site of ontological and psychological inquiry. The poem reflects a fractured self-navigating a universe marked by void, uncertainty, and metaphysical disorientation. Using symbolic imagery—such as fire, mirrors, and emptiness—Meera Ji conveys the fragmentation of identity and the struggle to grasp truth in a reality governed by illusions. This paper applies existential and psychoanalytic frameworks to examine how the poem dramatizes the loss of meaning, the unreliability of perception, and the haunting presence of the unconscious. Ultimately, Meera Ji's voice emerges not as a seeker of certainty, but as a witness to the human condition's most unsettling enigmas.

Key Words: Existentialism, Unconscious, Inner Conflict, Symbolism, Modern Urdu Poetry, Ontological Anxiety

ملخص

یہ مقالہ میراجی کی نظموں میں موجود وجودی اضطراب، لاشعوری تحریکات، اور داخلی کشمکش کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ یہ مطالعہ روایتی جمالیاتی تشریحات سے ہٹ کر، میراجی کی شاعری کو ایک فکری اور نفسیاتی نظام میں رکھتا ہے، جہاں نظم صرف ایک جمالی اظہار نہیں

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

بلکہ ایک فکری تجربہ بن جاتی ہے۔ نظم میں "الاؤ"، "آئینہ"، اور "خلا" جیسے استعارے اُس داخلی وجود کی نمائندگی کرتے ہیں جو ایک بے معنویت سے بھرے کائناتی خلا میں اپنی سچائی کی تلاش میں ہے۔ نظم کا لہجہ ایک بکھرے ہوئے شعور کی نشاندہی کرتا ہے، جہاں صداقت ایک ٹوٹے ہوئے آئینے کی مانند غیر واضح اور مبہم ہے۔ یہ مقالہ وجودی اور نفسیاتی تناظر سے نظم کا مطالعہ کرتا ہے، اور دکھاتا ہے کہ میراجی کی نظم انسانی وجود کی الجھنوں، عدم تحفظ، اور باطنی خوف کی عکاس ہے۔

کلیدی الفاظ: وجودیت، لاشعور، داخلی کشمکش، علامت نگاری، جدید اردو نظم، وجودی بے چینی
میراجی کی نظموں میں وجود، لاشعور اور داخلی کشمکش: ایک نفسیاتی وجودی مطالعہ

(1)

تخلیق وہ لطیف عمل ہے جو انسان کے شعوری اور لاشعوری تجربات کو اس طرح ہم آہنگ کرتا ہے کہ خیال، جذبہ اور زبان ایک وحدت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ محض تفریح یا بیان کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک فکری اور جمالیاتی مظہر ہے، جو انسانی ذہن کی پیچیدہ، تہہ در تہہ کیفیات کو اجاگر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ادب کی تمام اصناف نے انسانی تجربے کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے، لیکن نظم کو یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ وہ شعور کی پوشیدہ پرتوں کو چھو کر انہیں ایک تخلیقی گہرائی میں سمو سکتی ہے۔ نظم فقط بیانیہ اظہار کا وسیلہ نہیں، بلکہ وہ ایک ایسا تخلیقی مقام ہے جہاں زبان روایتی حدود سے آگے بڑھ کر نئے معنی تخلیق کرتی ہے۔ اس کی صوتی ہم آہنگی، علامتی وسعت، اور معنوی دہازت نظم کو اس درجے پر پہنچا دیتی ہے جہاں وہ قاری کے اندرونی احساسات، مبہم کیفیات اور تجرباتی الجھنوں کو مؤثر انداز میں نمایاں کرتی ہے۔ نظم قاری کو ایک ایسے باطنی سفر پر لے جاتی ہے جو بیک وقت دریافت، تفکر اور بصیرت سے لبریز ہوتا ہے۔ اس کی ساختی پیچیدگی اور فکری تنوع نظم کو صرف جمالیاتی اظہار نہیں رہنے دیتے، بلکہ اسے ایک فکری عمل میں بدل دیتے ہیں جو شعور میں ارتعاش پیدا کرتا ہے۔ یہی شعوری تحرک قاری کے اندر سوالات کو جنم دیتا ہے، اس کی فہم کو چیلنج کرتا ہے، اور اسے صرف دیکھنے یا سننے والا ناظر نہیں، بلکہ تخلیق کا باطنی شریک بنا دیتا ہے۔ یہی وہ خاصیت ہے جو نظم کو دیگر اصناف ادب سے ممتاز کرتی ہے؛ کیونکہ یہاں صرف ایک کیفیت یا واقعہ پیش نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے پیچھے کارفرما نفسیاتی اور فکری پس منظر کو بھی اجاگر کیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نظم، تخلیق، شعور اور احساس ایک متحرک وحدت بن جاتے ہیں، اور قاری کو ایسا تجربہ فراہم کرتے ہیں جو نہ صرف محسوس کیا جاتا ہے بلکہ اس کی زیست کا جزو بن جاتا ہے۔ نظم میں شاعر صرف بیرونی دنیا کا عکس پیش نہیں کرتا، بلکہ ایک مکمل داخلی منظر نامہ بھی تشکیل دیتا ہے، جہاں تنہائی، خوف، وقت، خود شناسی اور امید جیسے موضوعات گہرائی سے سامنے آتے ہیں۔ قاری جب نظم کے اس تخلیقی ماحول میں داخل ہوتا ہے تو وہ محض ایک سامع یا مشاہد نہیں رہتا بلکہ اس کا ذہن اور دل نظم کے فکری و جذباتی نظام سے جڑ جاتے ہیں۔ یہی فکری انضمام ادب کو ایک زندہ اور متحرک تجربہ بناتا ہے، جو فرد کے باطن میں چھپی متضاد کیفیات کو نہ صرف آشکار کرتا ہے بلکہ اس کی فکری تربیت میں بھی اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا (1)، "نظم اور اس کا پس منظر" میں رقمطراز ہیں:

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

"نظم، شعر کی ایک مخصوص صنف ہونے کے ناطے، اس وقت تک مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک ہم شعر کی جامع تعریف، اس کی فنی و فکری حدود، اور اس کے اثرات کا گہرا جائزہ نہ لے لیں۔ نظم کی نوعیت یا اس کے مزاج کا تعین اسی وقت ممکن ہے جب ہم شعر کے وسیع تر تناظر میں نظم کی ساخت، مقصد اور اثر پذیری کو پرکھیں۔"

جدید نظم محض ایک تخلیقی اظہار کی صورت نہیں، بلکہ ایک گہرے فکری، نفسیاتی اور وجودی مکالمے کی تشکیل ہے۔ یہ مکالمہ شاعر اور قاری کے مابین روایتی فاصلہ برقرار نہیں رکھتا، بلکہ اس خلا کو پُر کرتا ہے جہاں فرد اپنی ذات، کائنات اور عہد سے براہ راست ہمکلام ہونے لگتا ہے۔ اس شعری اظہار میں سوالات صرف لفظی بازی گری نہیں ہوتے بلکہ وہ فرد کے اندر ایک ایسی تشکیلی توانائی کو بیدار کرتے ہیں جو اسے اپنے وجود کی پوشیدہ پرتوں کا سامنا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یوں جدید نظم ایک ایسے عمیق باطنی عمل میں ڈھل جاتی ہے جو نہ صرف انسانی شعور کے مختلف مدارج کو نمایاں کرتا ہے بلکہ اس میں موجود تضادات، اضطراب، امید، ناامیدی اور انفرادیت کی کیفیات کو بھی ایک فکری و جمالیاتی وحدت میں پرو دیتا ہے۔ نظم کا یہ فکری و روحانی پہلو اسے محض لسانی یا بیانیہ جمالیات تک محدود نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک متعامل فکری مظہر میں تبدیل کر دیتا ہے، جہاں قاری محض ایک خارجی مشاہدہ کرنے والا فرد نہیں رہتا، بلکہ خود اس شعری کائنات کا ایک باطن شناس شریک بن جاتا ہے۔ جدید نظم، اس نوعیت کے مکالماتی عمل کے ذریعے ادب کو محض تفریحی یا روایتی بیانیے سے بلند کر کے ایک باشعور تخلیقی بیداری میں ڈھال دیتی ہے، جو انسانی وجود کی پیچیدگیوں کو محسوس کرنے اور ان کا سامنا کرنے کی جرات عطا کرتی ہے۔ نظم نہ صرف خارجی حقائق کی بازگشت ہے بلکہ داخلی حقائق کی گونج بھی رکھتی ہے۔ اس میں شعور، تخلیق، احساس اور زبان ایک متحرک اور مربوط وحدت میں تحلیل ہو جاتے ہیں، جو قاری کے فکری افق کو وسعت دیتی ہے اور اسے تجربے، علم، اور عرفان کی ایک نئی سطح سے آشنا کرتی ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو جدید نظم ایک ایسا ادبی تجربہ ہے جو وقت، سماج اور فرد کے مابین حاصل فاصلوں کو مٹا کر ایک کلیاتی وحدت کی تشکیل کرتا ہے۔ یہی وحدت نظم کو محض ایک فن پارہ نہیں، بلکہ ایک فکری، تہذیبی اور روحانی تجربہ بنا دیتی ہے۔ ایسا تجربہ جو قاری کے ذہن و دل کو بیک وقت جھنجھوڑتا، ہمیز دیتا اور مہمات فکری پر آمادہ کرتا ہے۔ نظم کے ارتقائی منظر نامے کو بیان کرتے ہوئے کوثر مظہری (2) لکھتے ہیں:

"جدید نظم فرد کے باطن کی وہ آواز ہے جو روایت سے نکل کر سچائی، اضطراب اور خودی کی تلاش کا بیانیہ بن جاتی ہے۔ یہ وہ شعری اظہار ہے جو محض بیان نہیں، بلکہ سوال، جستجو اور شعور کی بیداری کا عمل ہے۔"

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

وجودی فکر (Existential Thought) در اصل انسانی شعور کے ان بنیادی سوالات کا فکری اظہار یہ ہے، جو انسان کو صدیوں سے متوجہ کرتے آ رہے ہیں۔ اگرچہ یہ رجحان انیسویں صدی کے وسط میں مغربی فلسفے میں ایک مربوط مکتب فکر کی صورت میں سامنے آیا، تاہم اس کے آثار انسان کے ابتدائی فکری اور روحانی رویوں میں بھی موجود ہیں۔ یہ وہ شعور ہے جو فرد کو نہ صرف اپنی داخلی ہستی کے پیچیدہ منطوقوں سے متعارف کرتا ہے، بلکہ اسے زندگی، وقت، وجود، اور ذمہ داری جیسے تصورات کے گہرے ادراک تک لے جاتا ہے۔ اردو نظم میں، بالخصوص میراجی جیسے شعرا کے ہاں، یہ رجحان نہایت گہرائی کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے۔ ان کی نظم "سلسلہ روز و شب" میں خلا، وقت، شعلہ، اور عدم جیسے وجودی استعارے فرد کے باطنی کرب اور فکری تجرید کو علامتی پیرایے میں ظاہر کرتے ہیں۔ نظم کا فرد ایک ایسی کائنات میں کھڑا ہے جہاں نور ازل مٹ چکا ہے، اور حقیقت آئینے کی طرح ٹوٹ کر بکھر چکی ہے۔ یہ مناظر دراصل اس ذہنی کیفیت کا اظہار یہ ہیں جہاں فرد کسی بیرونی سہارے کے بغیر، تنہا، اپنے وجود کا بوجھ اٹھائے، شعور اور لا شعور کے دھارے میں تیر رہا ہے۔ یوں جدید نظم وجودی فکر کی وہ جمالیاتی صورت ہے جو فرد کے اندر چھپے سوالات، اضطرابات، اور شناخت کے مسائل کو لفظوں، علامتوں اور صوتی آہنگ کے ذریعے ایک فنکارانہ پیرائے میں ڈھالتی ہے۔ یہ نہ صرف قاری کے ذہن کو مہمیز دیتی ہے بلکہ اسے ایک فکری شریک میں بدل دیتی ہے، جو محض ناظر نہیں بلکہ نظم کے باطن میں جھانکنے والا متحرک شعور بن جاتا ہے۔ یہی شعوری شرکت ادب کو محض اظہار کی صنف نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے ایک زندہ، متحرک اور فکری کائنات بنا دیتی ہے۔ کیرسگارد (3) لکھتی ہے:

"اضطراب دراصل انسانی آزادی کا وہ پُر آشوب لمحہ ہے، جب روح اپنی اصل کی جستجو میں مگن ہو کر اپنی معنویت خود متعین کرنا چاہتی ہے۔ یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آزادی، اپنی لا انتہا ممکنات کا ادراک کرتے ہوئے، اپنی بقا کے لیے کسی ایک متعین سمت یا قدر کو تھامنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہی اضطراب، وجودی شعور کے بیدار ہونے کی علامت ہے، جو فرد کو انتخاب، ذمے داری اور خود تشکیل کی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔"

فریڈرک نطشے، اُن ممتاز مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے وجودی فلسفے کو محض فکری روایت تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے ایک فکری بغاوت اور انقلابی شعور کی صورت عطا کی۔ نطشے کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی طاقت اس کی تخلیقی خودی (Creative Selfhood) ہے، جو کسی خارجی اتھارٹی یا روایتی اقدار کی تابع نہیں، بلکہ اپنی زندگی کی معنویت اور اپنے وجود کی اخلاقیات خود تراشتی ہے۔ وہ اس تصور کو "ارادہ برائے قوت" (Will to Power) کے تحت واضح کرتے ہیں، جہاں فرد نہ صرف اپنی داخلی توانائی کا ادراک حاصل کرتا ہے، بلکہ اس توانائی کے ذریعے کائنات میں اپنی جگہ متعین کرنے کی سعی بھی کرتا ہے۔ نطشے نے ان

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

تمام مابعد الطبعیاتی، مذہبی اور اخلاقی نظاموں پر سوال اٹھایا جو فرد کی آزادی، تخلیق اور شعور کو جامد سانچوں میں قید کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک "خدا کی موت" کا اعلان، محض مذہبی انکار نہیں بلکہ ایک فکری احیاء (Intellectual Reawakening) کا استعارہ ہے؛ ایسا لمحہ جب انسان پر یہ آشکار ہوتا ہے کہ اب تمام تر معنی و اقدار کی ذمہ داری اس کی اپنی ذات پر عائد ہوتی ہے۔ نطشے کے فلسفے میں فرد ایک بیدار، فعال اور باخبر ہستی کے طور پر سامنے آتا ہے جو اپنی تقدیر کا خود خالق ہے۔ اس تناظر میں، نطشے کا تصور انسان ایک ایسے وجود کی صورت اختیار کرتا ہے جو عدمیت، خلاء، اور ماضی کی شکستہ اقدار کے درمیان کھڑا ہو کر نئی معنویت کی تلاش کرتا ہے۔ یہی تصور وجودیت کے ان تمام اہم مباحث کو جنم دیتا ہے جن میں فرد کا اضطراب، آزادی، انتخاب اور تنہائی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ادب، بالخصوص جدید نظم، نطشے کے ان تصورات کو جمالیاتی اور علامتی سطح پر اپناتے ہوئے انسان کی اس باطنی کشمکش کو تخلیقی پیرائے میں بیان کرتی ہے۔ یوں نطشے کی فکر صرف فلسفیانہ بیانیہ نہیں رہتی، بلکہ ایک جمالیاتی تحریک بن جاتی ہے جو فنون لطیفہ اور شعری اظہار کو بھی نئی معنوی سطح عطا کرتی ہے، نطشے (4) کے مطابق:

"اپنے باطن کی شناخت حاصل کرو، اپنی انفرادیت کی تشکیل خود کرو، اور وہ بنو جو

تمہاری فطری ماہیت سے ہم آہنگ ہو۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود کا مجسمہ

ساز بنے اور اپنی ذات کو ایک تخلیقی شعور کے تحت سنوارے۔"

بیسویں صدی میں وجودی فکر نے ایک مربوط اور باقاعدہ فلسفیانہ مکتب فکر کی شکل اختیار کر لی۔ اس فکر کا دائرہ محض تجریدی اور ماورائی نظریات تک محدود نہیں رہا، بلکہ اسے انسانی تجربے، نفسیاتی شعور، اور سماجی و اخلاقی ذمہ داریوں کے تناظر میں نئی وسعتیں حاصل ہوئیں۔ اس فکری تحریک کو منظم شکل دینے میں ژاں پال سارتر، مارٹن ہائیڈیگر، البرٹ کامو اور کارل یاسپرز جیسے فلسفیوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ انہوں نے وجودیت کو محض ایک ذہنی یا فکری رویہ نہیں، بلکہ ایک عملی و شعوری طرز حیات (existential praxis) کے طور پر متعارف کرایا؛ ایسا طرز حیات جو انسان کو اس کی انفرادی آزادی، انتخاب کے حق، اور اُن نتائج کے ساتھ براہ راست روبرو کرتا ہے جو اُس کی آزادی انتخاب کے ناگزیر پہلو ہیں۔ سارتر نے فرد کو ایک "خود اپنی تقدیر لکھنے والا" شعور قرار دیا، جو دنیا میں پھینکا گیا ہے اور جسے اپنی معنویت خود تخلیق کرنی ہے۔ ان کے نزدیک آزادی کوئی تحفہ نہیں بلکہ ایک بوجھل ذمہ داری ہے، کیونکہ ہر انتخاب نہ صرف فرد کی اپنی شناخت متعین کرتا ہے بلکہ اس کے ذریعے وہ پورے انسانیت کے لیے ایک نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ دوسری جانب ہائیڈیگر نے "ہستی" کے مفہوم کو زمان و مکاں کے تناظر میں دوبارہ دریافت کیا۔ اُن کے نزدیک انسان، "ہونے کی فکری خود آگاہی (Dasein)" کے ساتھ جڑی ایک زندہ ہستی ہے جو اپنی موت کی شعوری آگاہی کے ساتھ جیتی ہے، اور یہی آگاہی اسے بامعنی زندگی کی تلاش پر مجبور کرتی ہے۔ البرٹ کامو نے وجودی فکر میں "بے معنویت (absurdity)" کو ایک کلیدی تجربہ قرار دیا۔ ان کے خیال میں انسانی زندگی کا تضاد یہی ہے کہ انسان معنویت کی تلاش کرتا ہے، جبکہ کائنات کسی منطقی یا اخلاقی نظام سے خالی

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

ہے۔ تاہم، یہی تضاد فرد کو بغاوت (revolt) پر آمادہ کرتا ہے؛ ایسی بغاوت جو زندگی کو قبول تو کرتی ہے، مگر اسے نکھارنے، بہتر بنانے اور ایک طرح کی اخلاقی پختگی پیدا کرنے کا محرک بھی بنتی ہے۔ یاسپر زنے وجودیت کے اندر ایک روحانی جہت تلاش کی، جہاں فرد اپنی ہستی کی مکمل تکمیل صرف دوسرے افراد سے رشتے، ہم آہنگی، اور صداقت پر مبنی مکالمے کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے؛ سارے (5) لکھتا ہے:

"وجودیت کا اولین اصول یہ ہے کہ انسان کا وجود اس کی فطری تعریف سے
مقدم ہے؛ وہ پہلے دنیا میں آتا ہے، حالات سے نبرد آزما ہوتا ہے، اور پھر اپنی
ذات، مقصد اور اقدار کی تخلیق خود کرتا ہے۔ وہی کچھ بنتا ہے جو وہ اپنے شعوری
انتخاب سے اپنے لیے چنتا ہے۔"

نظم نے وجودی فکر کو نہایت باریک بینی اور تخلیقی گہرائی کے ساتھ اس طور پر مربوط کیا ہے کہ اب نظم محض داخلی جذبات یا ذاتی کیفیات کے اظہار تک محدود نہیں رہی، بلکہ وہ ایک فکری مزاحمت، باطنی تشکیک، اور شعوری دریافت کا موثر ذریعہ بن چکی ہے۔ جدید نظم اس فرد کو مرکزِ اظہار بناتی ہے جو اپنی "سچائی"، (Authenticity) "آزادیِ انتخاب"، (Freedom of Choice) اور داخلی کشمکش کے تجربے سے گزر رہا ہوتا ہے۔ یہ نظم دراصل وجودیت کا ایک جمالیاتی مظہر (Aesthetic Manifestation) بن کر سامنے آتی ہے، جہاں تخلیق محض احساس نہیں بلکہ ایک فکری جستجو کا استعارہ بن جاتی ہے۔ جدید نظم قاری کو ایک دعوتِ مکاشفہ دیتی ہے — وہ اسے محض کائنات کے خارجی نظم کو دیکھنے کے بجائے خود اپنی ہستی کے باطن میں جھانکنے پر مائل کرتی ہے۔ یہ نظم نہ صرف وجودی سوالات کو اجاگر کرتی ہے بلکہ قاری کو ان سوالات سے باقاعدہ مکالمے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید نظم محض بیانیہ اظہار تک محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ قاری کو ذہنی آسودگی کی سطح سے نکال کر فکری بے چینی اور وجودی بیداری کے مقام پر لاکھڑا کرتی ہے۔ اس تناظر میں نظم صرف ایک ادبی صنف نہیں، بلکہ ایک فکری وجودی تجربہ ہے — ایسا تجربہ جو انسانی معنویت کے زوال پذیر شعور کو جھنجھوڑ کر اس کی اصل شناخت سے جوڑنے کی ایک مسلسل کوشش بن جاتا ہے۔ جدید نظم گویا ایک فکری آئینہ ہے، جو قاری کو اس کی باطنی گہرائیوں میں لے جا کر اسے اس کی ان دیکھی سچائیوں سے روشناس کراتی ہے۔ تھامس آر فلانن (6) رقمطراز ہے:

"ادب، وجودی اضطراب کے مقابل ایک تخلیقی جائے پناہ کی حیثیت اختیار کر لیتا
ہے؛ وہ مقام جہاں فرد، زندگی کی بے معنویت، آزادی کے کرب، اور انتخاب کی
ذمہ داری جیسے گہرے داخلی تجربات کو زبان، علامت اور بیانے کی صورت میں
معنی دے کر قابلِ فہم بنانے کی سعی کرتا ہے۔"

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

جدید اردو نظم نگاری کے تناظر میں میراجی کو محض ایک فنی یا تکنیکی تجدید کار کے طور پر محدود کرنا ان کی شعری جہات، فکری گہرائی اور وجودی معنویت کے ساتھ شدید نا انصافی ہوگی۔ اُن کی شاعری محض عروضی تجربات، امیجری کی جدت یا اسلوبی انفرادیت کی نمائندہ نہیں، بلکہ وہ ایک ایسے تخلیق کار کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے نظم کو ذاتی اظہار، داخلی تجزیے اور شعوری مکاشفے کے ایک ہمہ گیر وسیلے میں تبدیل کر دیا۔ میراجی نے نظم کو ایک ایسا تخلیقی میدان بنا دیا جہاں انفرادیت، اضطراب، خاموشی، اور روحانی تشنگی کو فکری وقار عطا کیا جاسکے۔ ان کے اسلوب میں جو خوابیدہ سی کیفیت ہے، جو امیجری میں تیرتا ہوا وقت ہے، اور جو شعری بہاؤ میں ایک منتشر مگر مربوط داخلی فضا قائم ہوتی ہے، وہ قاری کو نہ صرف متاثر کرتی ہے بلکہ اس کے اندر ایک بے چین بیداری پیدا کرتی ہے۔ میراجی کی نظم گوئی دراصل ایک ایسی فکری اور وجودی جست ہے جس کے ذریعے اردو نظم نے اپنے بیانے، مقام اور دائرہ اثر کو وسعت دی۔ میراجی کا شعری منصب کسی خاص دبستان یا فنی تجربہ کاری تک محدود نہیں، بلکہ اُن کی نظموں میں موجود فکری ژرف نگاہی، داخلی کشمکش، اور وجودی احساس، انہیں اردو جدید نظم نگاری کا ایک سنگ میل بنا دیتا ہے۔ وہ نہ صرف نظم کے اسلوبی اور موضوعاتی امکانات کو وسعت دینے والے شاعر ہیں، بلکہ وہ نظم کے ذریعے شعور اور وجود کے مکاشفے کو ایک جمالیاتی پیکر میں ڈھالنے والے منفرد تخلیق کار بھی ہیں۔ ان کے بغیر جدید اردو نظم کی فکری اور فنی تاریخ ادھوری ہے۔

(2)

میراجی کا مقام جدید اردو نظم نگاری میں محض ایک فنی یا اسلوبی تجربہ کار شاعر کا نہیں بلکہ ایک ایسے تخلیق کار کا ہے، جس نے نظم کو انفرادیت، داخلیت اور وجودی احساس کے شعری اظہار کی سطح پر نئی جہتوں سے ہم کنار کیا۔ جدید اردو نظم کی تاریخ میں جب روایت سے بغاوت، ذات کے انکشاف، اور فرد کے باطنی تجربات کو مرکزیت دی گئی تو میراجی ان ابتدائی شعرا میں شامل نظر آتے ہیں جنہوں نے اس شعری انقلاب کو نہ صرف اپنی آواز بخشی بلکہ اسے فکری استحکام بھی عطا کیا۔ اُن کی شاعری داخلی پیچیدگی، علامتی اظہار اور وجودی اضطراب کا ایسا امتزاج ہے، جو جدید اردو نظم کی روح بن گیا۔ اس پس منظر میں میراجی کی نظم گوئی صرف شعری فضا کی تبدیلی نہیں بلکہ شعور اور احساس کی نئی کائنات کی تشکیل ہے۔ جدیدیت، جس کی بنیاد مغربی فکری تحریکوں سے ماخوذ تھی، اردو ادب میں بالخصوص نظم کے پیرایہ اظہار میں اُس وقت پوری شدت سے در آئی جب شاعری نے اجتماعی بیانے سے انحراف کرتے ہوئے فرد، اُس کی تنہائی، داخلی کشمکش، اور شعور کے الجھے ہوئے دھاگوں کو موضوع بنایا۔ میراجی کا شعری سفر اسی جدت فکر اور داخلیت کی تحریک سے ہم آہنگ ہے۔ اُن کے یہاں جدیدیت کوئی خارجی مظہر نہیں، بلکہ ایک باطنی روشنی ہے جس کے تحت نظم ایک ذاتی مکاشفے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ان کی نظموں میں فکری انفرادیت، تنقیدی شعور اور جمالیاتی تجرید اس طور ضم ہو جاتے ہیں کہ قاری محض کسی جذبے کا مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ اُس کی تہوں میں اتر کر ایک نئی معنویت کو دریافت کرتا ہے۔ انفرادیت، جو جدید نظم کا بنیادی خمیر ہے، میراجی کی شاعری میں ایک شعوری اختیار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اُن کی نظموں کا بنیادی حوالہ "میں" کی تشکیل، اُس کی تحلیل، اور اُس کی تخلیق نو

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

ہے۔ یہ "میں" محض ایک خود سر یا خود پسند شخصیت نہیں، بلکہ وہ داخلی وجود ہے جو کائنات، وقت، اور اپنے لاشعور سے مسلسل مکالمہ کرتا ہے۔ یہی مکالمہ اُن کی نظموں کو محض جذباتی اظہار سے بلند کر کے ایک فکری اور روحانی تجربہ بنادیتا ہے۔ اس پس منظر میں، زیر مطالعہ موضوع، صرف ایک ادبی تجربہ نہیں بلکہ اُن کے تخلیقی شعور کے اُس فکری اور نفسیاتی سفر کی دریافت ہے، جس نے اردو نظم کو ایک نئی فکری اور جمالیاتی زمین فراہم کی۔ ارتضیٰ کریم (7) لکھتے ہیں:

"اردو ادب میں مزاحمت محض احتجاج نہیں، بلکہ ایک تخلیقی و اخلاقی رد عمل ہے جو جبر و نا انصافی کے خلاف ضمیر کی آواز بن کر ابھرتا ہے۔"

میراجی کی نظم اردو جدید شاعری کی اس جہت کی نمائندگی کرتی ہے جس میں نظم محض ایک ادبی صنف یا فنی تجربہ نہیں رہتی، بلکہ ایک ایسا داخلی اور فکری مکاشفہ بن جاتی ہے جس کے ذریعے شاعر اپنی ذات، احساسات، لاشعور، اور کائناتی تجربات کو تخلیقی طور پر دریافت کرتا ہے۔ میراجی نے نظم کو ذاتی اظہار کا ایسا وسیلہ بنایا جس کے ذریعے شعور اور تحت الشعور کے باہمی تعلق کو بیان کیا جاسکے۔ اُن کی شاعری میں ایک ایسی انفرادیت جھلکتی ہے جو اجتماعی اقدار اور روایتی شعری سانچوں سے علیحدہ ہو کر اپنی معنویت خود خلق کرتی ہے۔ یہی رجحان اُن کی نظموں کو اردو شاعری میں ایک نیا فکری رخ عطا کرتا ہے۔ میراجی کی نظموں کا اسلوب آزاد، علامتی، اور تجرباتی نوعیت کا ہے۔ اُنہوں نے روایت کی طے شدہ حدود کو توڑ کر زبان اور ساخت کے ساتھ تخلیقی سطح پر تجربے کیے۔ میٹر، قافیہ اور ردیف کے روایتی اصولوں سے آزادی نے اُن کی نظموں کو ایک نیا اظہار عطا کیا، جہاں لفظ اپنے سادہ معنی سے نکل کر ایک تمثیلی، علامتی، اور بعض اوقات تجریدی جہت اختیار کر لیتا ہے۔ علامتیں اور استعارات صرف بیان کو خوبصورت بنانے کے لیے نہیں، بلکہ باطن کے اظہار، نفسیاتی کیفیتوں، اور روحانی دھند لکوں کو مجسم کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ نظم کی داخلی منطق کسی بیانیہ یا خارجی ترتیب کی محتاج نہیں، بلکہ وہ خود اپنی باطنی فضا، ذہنی روانی، اور شعور کی پرچھائیوں سے جنم لیتی ہے۔ یہی بات میراجی کی نظموں کو جدید اردو شاعری میں منفرد بناتی ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے میراجی کی نظمیں جدید اردو نظم کی اُن ترجیحات کو متعین کرتی ہیں جن میں فرد کا داخلی بحران، نفسیاتی الجھنیں، وجودی سوالات، اور سماجی بیگانگی جیسے عناصر غالب نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرے کی مجموعی بیانیہ سازی سے ہٹ کر فرد کے باطنی کرب، احساس تنہائی، اور شناخت کے بحران کو موضوع بناتے ہیں۔ اُن کی نظموں میں اکثر ایک ایسا شخصی راوی موجود ہوتا ہے جو خود اپنے وجود سے سوال کرتا ہے، اپنے ماحول سے کٹ چکا ہے، اور ایک گہری معنوی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یہ وجودی کیفیتیں قاری کو محض ایک جمالیاتی تجربہ نہیں دیتیں، بلکہ اسے اپنی ذات کے گہرے حصوں سے روبرو بھی کرتی ہیں؛ ہیڈیگر (8) کے مطابق:

"فرد ماضی، حال اور مستقبل میں بیک وقت موجود ہوتا ہے، اور اس کی "ہستی"

(Being) کا شعور وقت کے ایک نقطے میں مرکوز ہو جاتا ہے۔"

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

میراجی کی نظم محض ایک جمالیاتی اظہار نہیں بلکہ ایک فکری اور وجودی جست ہے، جس میں فرد اپنی داخلی جہات، کرب اور لا اور اکی سوالات کے ساتھ نبرد آزما نظر آتا ہے۔ وجودی فکر جس کی بنیاد مغربی فلسفیوں جیسے سورن کیرکیگارد، مارٹن ہیڈیگر اور ژاں پال سارتر نے رکھی، اُس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ انسان ایک ایسا وجود ہے جو اس دنیا میں خود کو تنہا، آزاد اور ایک غیر متعین کائناتی پس منظر میں پاتا ہے۔ اس تنہائی میں وہ اپنی زندگی، انتخاب، اور خود تشکیل کا ذمے دار خود ہوتا ہے۔ یہی وہ فکری تناظر ہے جس کی جھلک ہمیں میراجی کی نظموں میں بار بار دکھائی دیتی ہے۔ میراجی کے ہاں "آزادی" ایک دودھاری تلوار کی مانند ہے۔ ایک طرف یہ آزادی انسان کو امکانات کی وسعت عطا کرتی ہے، لیکن دوسری جانب یہ اُس پر انتخاب کی ذمے داری ڈال کر اُسے اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ان کی نظموں میں فرد اس اضطراب کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اس کا تخلیقی سامنا بھی کرتا ہے۔ نظم ایک ایسی جگہ بن جاتی ہے جہاں وہ اس بے معنویت کو علامت، خواب، یاد اور استعارے کے ذریعے زبان دیتا ہے۔ وہ تنہائی جسے وجودی فلسفہ انسان کی اصل حالت کہتا ہے، میراجی کے ہاں ایک شدید داخلی تجربہ بن کر نظم کی ساخت میں جذب ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے باطن کے جنگل میں بھٹکتے ہوئے اُس وجودی سچ کی تلاش میں دکھائی دیتے ہیں جو اکثر دھند اور خلا میں لپٹا ہوتا ہے۔ میراجی کی نظموں میں انفرادیت کی مسلسل جستجو ایک ایسا رجحان ہے جو نہ صرف اُن کی شعری جمالیات کو نئی معنویت عطا کرتا ہے بلکہ اردو نظم کو ایک فکری وقار بھی بخشتا ہے۔ ان کی نظمیں صرف خارجی دنیا کی عکاسی نہیں کرتیں بلکہ وہ ایک ایسی داخلی کائنات کی تشکیل کرتی ہیں جہاں فرد اپنی معنویت خود تلاش کرتا ہے۔ "خلا"، "خاموشی"، "سایہ"، "شعلہ"، "نور ازل"، اور "عدم" جیسے الفاظ اُن کی نظموں میں صرف جمالیاتی عنصر نہیں بلکہ وہ فرد کے وجودی تجربے کے استعارے بن جاتے ہیں۔

میراجی کی نظم نگاری کو اگر نفسیاتی زاویے سے دیکھا جائے، خاص طور پر لا شعور (unconscious) کے نظریے کی روشنی میں، تو ان کی شاعری ایک خواب ناک اور تمثیلی کائنات کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اُن کی نظموں میں لا شعور کی گونج، نیم غنودہ کیفیات، دبے ہوئے جذبات اور علامتی اظہار بار بار سامنے آتے ہیں۔ یہ رجحان خاص طور پر سگمنڈ فرائیڈ اور کارل یونگ کے نظریات سے ہم آہنگ محسوس ہوتا ہے، جنہوں نے انسانی ذہن کے ان گوشوں کو سمجھنے کی کوشش کی جو شعور کی گرفت سے باہر ہیں۔ فرائیڈ (9) کے مطابق:

"لا شعور انسانی شخصیت کا وہ حصہ ہے جہاں دہی ہوئی خواہشات، خوف، اور

منوعہ جذبات دفن ہوتے ہیں۔ یہ جذبات براہ راست اظہار نہیں پاتے بلکہ

خواب، لغزش، تخیل اور علامتوں کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔"

میراجی کی نظموں میں یہی فرائیڈی لا شعور مختلف روپوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ خواہ وہ "تخیل کا دھوکہ" ہو، "نور ازل کا مٹ جانا" ہو یا "عدم کی جھنجھلاہٹ"، سب ایسے تجربات کی علامت ہیں جو لا شعوری سطح پر جنم لیتے ہیں اور شعری اظہار کے ذریعے ظاہر ہوتے

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

ہیں۔ دوسری جانب یونگ نے لاشعور کے ساتھ ساتھ اجتماعی لاشعور (collective unconscious) اور آرکی ٹائپس (archetypes) کا تصور پیش کیا۔ ان کے مطابق انسانی ذہن کچھ ایسے ازلی تجربات اور علامتی خاکوں پر مشتمل ہوتا ہے جو تمام انسانوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ میراجی کے ہاں بھی کچھ ایسے آرکی ٹائپس ملتے ہیں جو یونگ کے تصور کے قریب تر ہیں، جیسے "خلا"، "شعلہ"، "سایہ"، اور "آئینہ"، یہ سب علامتیں فرد کی داخلی دنیا کو تصویری زبان میں بیان کرتی ہیں۔ ان میں سے "آئینہ" جیسے استعارے خودی کی ٹوٹ پھوٹ اور شعور کی شکستہ حالت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں وقت کا بہاؤ ٹھہرا ہوا سا لگتا ہے، خیالات نیم بیدار ذہن کی سطح پر تیرتے ہیں، اور امیجری کسی خواب کی طرح مبہم مگر با معنی محسوس ہوتی ہے۔ یہ تمام خصوصیات نظم کو محض شعری اظہار سے آگے بڑھا کر ایک نفسیاتی تجربے میں بدل دیتی ہیں۔ قاری جب میراجی کی نظم پڑھتا ہے، تو وہ صرف الفاظ نہیں بلکہ ایک خوابیدہ فضا میں داخل ہوتا ہے جہاں علامتیں، استعارے، اور نیم روشن معانی لاشعوری سطح پر اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔

میراجی کے یہاں "میں" اور "غیر" کی کشمکش صرف خارجی تضاد نہیں بلکہ ایک باطنی تناؤ ہے جو فرد کے اندرونی بحران، شناخت کے بحران، اور وجودی الجھنوں سے پھوٹتا ہے۔ "میں" کا شعور، اپنی ذات کو مکمل اور متعین طور پر پہچاننے کی خواہش رکھتا ہے، جب کہ "غیر"، خواہ وہ کوئی خارجی وجود ہو، سماجی قدر ہو یا کوئی لاشعوری قوت، اس شناخت کو چیلنج کرتا ہے۔ شناخت کا بحران میراجی کی نظموں میں بار بار جھلکتا ہے، اور ان کی شاعری میں خودی (self) ایک مستحکم اور متوازن وحدت کے طور پر سامنے نہیں آتی، بلکہ ایک شکستہ، متضاد اور بگھلتی ہوئی ہستی کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی نظموں میں موجود آئینے کے استعارے، بے چین خواب، اور مبہم علامتیں دراصل اسی شکست و ریخت کی نشانیاں ہیں۔ خودی یہاں نہ تو مکمل طور پر "اپنی" ہے، نہ ہی مکمل طور پر "بیگانہ"، بلکہ ایک مسلسل عمل میں ہے، جو اپنے معنی تلاش کرتی ہے اور گم بھی کر دیتی ہے۔ نظم "ارتقا" (10) میں کشمکش کا سلسلہ دیکھئے:

"قدم قدم پر جنازے رکھے ہوئے ہیں ان کو اٹھاؤ جاؤ"

یہ دیکھتے کیا ہو کام میرا نہیں تمہارا یہ کام ہے آج اور کل کا

تم آج میں محو ہو کے شاید یہ سوچتے ہو

نہ بیتا کل اور نہ آنے والا تمہارا کل ہے

مگر یوں ہی سوچ میں جو ڈوبے تو کچھ نہ ہوگا

جنازے رکھے ہوئے ہیں ان کو اٹھاؤ جاؤ"

محبت اور خوف، خواہش اور انکار، روشنی اور خلا، سب ایک ساتھ نظم کے اندر موجود ہوتے ہیں، اور کسی ایک جذبے کی برتری قائم نہیں کی جاتی۔ یہ متضاد جذبات قاری کو اس داخلی کیفیت کا حصہ بنادیتے ہیں جس میں خود شاعر بھی معلق ہے۔ اسی داخلی کشمکش کا ایک اور پہلو "خاموشی" ہے، جو بظاہر غیر اظہار ہے مگر دراصل شدید جذباتی دباؤ کا اظہار یہ ہے۔ میراجی کی بہت سی نظموں میں الفاظ کی کمی نہیں،

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

مگر پھر بھی ان میں ایک ایسی کیفیت پائی جاتی ہے جو کسی نہ کہی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہی خاموشی نظم کے بطن میں ایک نفسیاتی بوجھ کو جنم دیتی ہے جو قاری کو مسلسل بے چین رکھتا ہے۔ اسی طرح "بے نام خوف" بھی ان کی نظموں میں ایک بار بار آنے والا عنصر ہے۔ یہ خوف کسی واضح خطرے کا نہیں، بلکہ وجود کے خود اپنی ذات سے غیر مطمئن ہونے کا احساس ہے۔ یہ ایک ایسا خوف ہے جو نہ مکمل طور پر بولا جاسکتا ہے اور نہ ہی مکمل طور پر سمجھا جاسکتا ہے، مگر جو نظم کے بین السطور میں مسلسل محسوس ہوتا ہے۔ ان کی نظموں میں داخلی کشمکش صرف ایک موضوع نہیں، بلکہ ایک اسلوب، ایک زاویہ نظر، اور ایک فکری روش ہے، جو ان کے شعری اظہار کو ایک گہرا، پیچیدہ اور ہمالیائی طور پر موثر بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

میراجی کی نظموں میں نثری بہاؤ (نثری روانی) اور داخلیت کا امتزاج کچھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ نظم ایک بظاہر سادہ، مگر دراصل پیچیدہ فکری اور جذباتی تجربے کا روپ دھار لیتی ہے۔ نظم "لب جوئے بارے" (11) دیکھئے:

"ایک ہی بل کے لیے بیٹھ کے پھر اٹھ بیٹھی

آنکھ نے صرف یہ دیکھا کہ نشہ بت ہے

یہ بصارت کونہ تھی تاب کہ وہ دیکھ سکے

کیسے تلوار چلی، کیسے زمیں کا سینہ

ایک لمحے کے لیے چشمے کی مانند بنا

تہج کھاتے ہوئے یہ لہراٹھی دل میں مرے"

ان کی نظموں میں عروضی گرفت کے بجائے ایک داخلی منطق اور جذباتی تال میل نمایاں ہوتا ہے، جو قاری کو ایک مخصوص ذہنی اور جذباتی کیفیت میں جذب کر لیتا ہے۔ وہ نظم کو نثر سے قریب تر لے آتے ہیں، مگر اسے محض بیان تک محدود نہیں کرتے، بلکہ اس میں ایک لطیف صوتی توازن اور داخلی آہنگ پیدا کرتے ہیں جو شاعری کو اس کی اصل روح سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ ان کا اسلوب "آزاد نظم" (free verse) کی روح کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ اسے اپنے تخلیقی تناظر میں نیا رنگ دیتا ہے۔ درواں (stream of consciousness) کا اسلوب، جس میں خیالات اور احساسات ایک مسلسل بہاؤ میں قاری کے سامنے آتے ہیں، میراجی کے یہاں شعوری طور پر موجود ہے۔ ان کی نظموں میں موضوع، جذبہ اور امیج اس طرح ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں کہ قاری کو ایک منظم و مربوط کہانی کی جگہ ایک سیال اور بدلتی ہوئی ذہنی فضا سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ طریقہ اظہار نہ صرف نظم کو فکری گہرائی عطا کرتا ہے بلکہ اسے قاری کے لاشعور سے جوڑنے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ امیجری (پیکر تراشی) اور تخیل کی فضا بھی میراجی کی شاعری میں ایک نمایاں فنی خصوصیت ہے۔ وہ محسوسات اور خوابوں کو اس طرح شعری پیکر میں ڈھالتے ہیں کہ نظم ایک خواب نما اور ماورائی کیفیت پیدا کرنے لگتی ہے۔ ان کے یہاں علامتیں کسی براہ راست مفہوم کے حامل نہیں ہوتیں بلکہ وہ تہہ در تہہ معنی پیدا کرتی ہیں۔ ان کے اکثر

ISSN (Online): 3006-5208

ISSN (Print): 3006-5194

Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.1 (2025)

شعری مناظر نیم غنودہ ذہن کی کیفیت، لاشعوری تمثیل اور داخلی بکھراؤ کے عکاس ہوتے ہیں۔ یوں میراجی کی امیجری، محض تصویری نہیں، بلکہ ذہنی، نفسیاتی اور روحانی پیکروں کا ایک مکمل نظام ہے۔

مجموعی طور پر میراجی کی نظم نگاری اردو ادب میں نہ صرف فکری گہرائی اور نفسیاتی پیچیدگی کا اشاریہ ہے، بلکہ اس کے ذریعے نظم کو ایک نیا جمالیاتی، فکری، اور اسلوبی جہت بھی عطا ہوئی۔ ان کی نظموں میں وجودی اضطراب، لاشعوری تمثیل، داخلی کشمکش، اور انفرادیت کی تلاش ایک مربوط فکری و فنی پیکر میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ محض علامتی یا آزاد نظم کے تجربہ کار شاعر نہیں، بلکہ ایک ایسے تخلیق کار ہیں جنہوں نے نظم کو ذاتی اظہار، فکری مکاشفہ، اور شعوری بیداری کا وسیلہ بنادیا۔ میراجی نے نہ صرف نظم کے اسلوب کو نئی صورت دی بلکہ اس کے موضوعات کو بھی گہرائی، تنوع اور سچائی سے ہمکنار کیا۔ ان کا شعری سفر داخلی پیچیدگیوں، ماورائی کیفیتوں، اور نفسیاتی کیفیات کے شعری اظہار کی ایک مثال ہے، جو جدید اردو نظم کے ارتقا میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے بغیر جدید نظم کا کوئی بھی مطالعہ نہ مکمل ہے، نہ منصفانہ۔ یوں میراجی کی نظم گوئی ایک ایسے شعری وژن کی مظہر ہے جو اردو ادب کو فکر، احساس اور فن کی نئی سرحدوں تک لے جاتا ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

- (1) آغا، ڈاکٹر وزیر (2000ء)، "نظم جدید کی کروٹیں"، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ص 11۔
- (2) مظہری، کوثر (2008ء)، "جدید نظم: حالی سے میراجی تک"، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ص 11۔
- (3) کیرسگارڈ، ایس (1980ء)، "The Concept of Anxiety"، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ص 304۔
- (4) نطشے، فریڈرک (2006ء)، "Thus Spoke Zarathustra"، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص 312۔
- (5) سارترے، جے پی (2007ء)، "Existentialism is a humanism"، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ص 17۔
- (6) فلن، ٹی آر (2006ء)، "Existentialism: A Very Short Introduction"، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص 112۔
- (7) کریم، ارتضیٰ (2004ء)، "اردو ادب احتجاج اور مزاحمت کے رویے"، دہلی، اردو اکادمی، ص 11۔
- (8) ہائیڈیگر، ایم (1997ء)، "Being and Time"، ہارپر اینڈ رو، ص 352۔
- (9) فرائیڈ، سگمنڈ (1971ء)، "Introductory lectures on psychoanalysis"، نورٹن، ص 825۔
- (10) میراجی (1988ء)، "ارتقا"، مشمولہ: کلیات میراجی، مرتبہ: جمیل جالبی، لندن، اردو مرکز، ص 190۔
- (11) میراجی (1988ء)، "لب جوئے بارے"، مشمولہ: کلیات میراجی، مرتبہ: جمیل جالبی، لندن، اردو مرکز، ص 214۔